یادوں کے دریچے

(مجموعۂ غزلیات)

☆

پیر سیّد غلام معین الحق گیلانی

گولڑہ شریف

باہتمام

ایوانِ مہر علی شاہؒ

گولڑہ شریف

☆

جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ

ناشر ------------ ایوانِ مہر علی شاہؒ گولڑہ شریف

پرنٹرز ------------ ضیاء القرآن پبلی کیشنز

گرافکس ------------ محمد نعیم

ترتیب دار ------------ فیض احمد علوی

سنِ اشاعت ------------ ۲۰۰۳ء ، ۲۰۰۹ء

ISBN: 969-8488-41-3

☆☆☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کوائف

نام مصنف: پیر سیّد غلام معین الحق گیلانی

تخلص: معین

مولد: گولڑہ شریف

سنِ ولادت: یکم اگست ۱۹۵۷ء

اساتذہ کرام: علامہ فتح محمد صاحب، علامہ محمد فاضل صاحب
علامہ اللہ بخش صاحب، علامہ فیض احمد فیض صاحب

مطبوعہ تصنیفات وتالیفات

(۱) سبحان اللہ ما اجملک

(۲) ریاض المناقب

(۳) یادوں کے دریچے

(۴) تذکرۃ العارفین

(۵) نگارشاتِ معینیہ

(۶) وَ صلِّ علیٰ کیا شان ہے

(۷) فیوضاتِ مہریہ

(۸) ذِکر الصّالحین

(۹) مقالاتِ معینیہ

مِلنے کا پتہ: مکتبہ ایوانِ مہر علی شاہؒ گولڑہ شریف

فون: ۲۲۹۲۹۲۹

فہرست

☆ اُدھ کھلے دریچے سے — پروفیسر ڈاکٹر احسان اکبر

☆ حمد — ۱

☆ نعت — ۳

☆ یادوں کے دریچے — ۵

☆ دل کو اسیرِ گیسوئے جاناں کئے ہوئے — ۶

☆ زلفِ جاناں کو جہاں سایہ فگن دیکھا ہے — ۸

☆ خواہش و آرزو و حسرت و ارمان نہیں — ۱۰

☆ زمانے میں بے مثل اُن کی ادائیں — ۱۲

☆ دل کے زخموں میں تازگی ہے ابھی — ۱۴

☆ گر جفاؤں پر تُلا ہے آسماں میرے لئے — ۱۶

☆ کوئی اپنا غم آشنا نہ ہُوا — ۱۸

☆ قصۂ غم نہ بنی، درد بداماں نہ ہوئی — ۲۰

☆ چین مجھ کو نہ شبِ وصل بھی آیا اکثر — ۲۲

☆ محوِ حیرت ہیں مرے حال پہ کیوں اہلِ جہاں — ۲۴

☆ سو بار کیا وعدہ پر آئے نہ ادھر کو — ۲۶

☆ بس اک قطرے میں آنسو کے نہاں ہے — ۲۸

☆ عشق جاناں کو اگر دل میں بسایا ہوتا — ۳۰

☆ فصلِ گل بے رنگ و بُو اے جانِ جاں! تیرے بغیر — ۳۲

☆ ہر بات پر وہ آپ کا کہنا نہیں نہیں — ۳۴

☆ دردِ پیہم کی آرزو کیجے — ۳۶

☆ میں کیوں درماں کروں دردِ جگر کا — ۳۸

☆ آج کس گلبدن کی یاد آئی — ۴۰

☆ یاد تری نہ ہو اگر زندگی زندگی نہیں — ۴۲

☆ رنگ و بوئے چمن کی بات کرو — ۴۴

☆ مری خاک کو اڑائے وہ کہاں کہاں نہ پہنچا — ۴۶

☆ ترے بغیر خزاں کی طرح بہار لگے — ۴۸

☆ سنا کے قصۂ غم سب کو سوگوار کیا — ۵۰

☆ مرے محسن! بس اتنا ہی کرم ہو — ۵۲

☆ جستجو میں تری مت پوچھ یہ کیا ملتا ہے — ۵۴

☆ کوئی شکوہ شکایت نہ گلا میرے بعد — ۵۶

☆ اپنے دیار میں رہے اجنبی سے ہم — ۵۸

☆ آتشِ عشق زمانے میں لگائی کس نے — ۶۰

☆ کیجے کیوں ترکِ محبت کے بہانے لاکھوں — ۶۲

☆ درد جب گھٹتا ہے تجھ کو یاد کر لیتا ہوں میں ۶۴
☆ پیمانِ وفا ہم سے غیروں سے ملاقاتیں ۶۶
☆ میں خوشی کو جانتا کیا جو وہ غمزدہ نہ کرتے ۶۸
☆ ڈھونڈھیئے کیا اِس زمانے میں طبیعت آشنا ۷۰
☆ زندگی گذرے وفا کرتے ہوئے ۷۲
☆ ہیں تمہارے بھی جو شیدائی بہت ۷۴
☆ چھیڑتے کیوں ہو دل کے تاروں کو ۷۶
☆ قصۂ غم سرِ محفل بھی سنائیں کیسے ۷۸
☆ اندازہ دیکھئے بتِ کافر ادا کے آج ۸۰
☆ بارِ الم تو بارِ گلِ نو بہار ہے ۸۲
☆ لاکھ چھپے وہ پردوں میں بھی لیکن سامنے آئے تو ۸۴
☆ جب وہ کچھ مسکرا کے کہتا ہے ۸۶
☆ چھن گئے خواب جو سہانے تھے ۸۸
☆ مجھے بے نشاں کی ہے جستجو مرا راستہ کوئی اور ہے ۹۰
☆ ہر زخمِ دل میں رنگ ہے حسنِ بہار کا ۹۲
☆ جب وہ بتِ کافر رہتا ہے کھنچا ہم سے ۹۴
☆ جب تصوّر میں کوئی جلوہ نما ہوتا ہے ۹۶

☆ ان کا دستِ جفا، خدا رکھے ۹۸
☆ جس کا مہر و وفا شعار ہوا ۱۰۰
☆ مہرباں اُن کی نظر ہے اِن دنوں ۱۰۲
☆ ہے پرانی روش زمانے کی ۱۰۴
☆ لُطف کی جب نگاہ کرتے ہیں ۱۰۶
☆ یہ دلِ زار بے قرار رہا ۱۰۸
☆ جب بھی وہ جانِ وفا جاتے ہیں ۱۱۰
☆ اُس کی یاد آئی ستانے مجھ کو ۱۱۲
☆ کچھ رہے حسرت و ارماں نہ تمنّا اے دوست! ۱۱۴
☆ معین اُس کی اُلفت نے یہ دن دکھائے ۱۱۶
☆ رُخ سے وہ پردہ اُٹھاتے، خُوب تھا ۱۱۸
☆ از مدّتے در آتشِ فرقت تپیدہ ام ۱۲۰
☆ نگاہِ یار عجب شوخِ فتنہ گر باشد ۱۲۲

☆☆☆

اَدھ کُھلے دریچے سے

پروفیسر ڈاکٹر احسان اکبر

''یادوں کے دریچے''، گولڑہ شریف کے خانوادۂ عالی کے پیر سیّد غلام معین الحق گیلانی کی اردو غزلوں کا ایک تازہ انتخاب ہے۔ ۲۰۰۳ء میں طبع ہونے والی اس کتاب کی یہ مقبولیت رہی کہ پہلا ایڈیشن اب دستیاب نہیں۔ کتاب کی طباعت سے صاحبِ کتاب کو کوئی جلبِ منفعت تو مطلوب نہ تھی۔ سو۲۱۱ صفحات کی اس مجلد کتاب کی قیمت صرف ایک ڈالر یا ۸۰ روپے رکھی۔ کتاب ہاتھوں ہاتھ چلی گئی۔

یہ کتاب اردو کے ساتھ ساتھ فارسی کی دو غزلوں کی بھی چہرہ نمائی کرتی ہے۔ فارسی غزلوں کا مزاج اردو سے کم پختگی لئے ہوئے نہیں ہے۔

فارسی غزل میں محامد آنحضور سرورِ کونین رحمتہ للعالمین سیّد المرسلین محمد رسول اللہ ﷺ کا رنگ ملاحظہ کیجئے۔

اے صاحبِ جمال! نگاہے بہ حالِ من
از بارِ غم خمیدہ وَ فرقت گزیدہ ام
نَے فکرِ سُود ہست و نہ اندیشۂ زیاں
در کاروبارِ عشق چہ ساماں خریدہ ام
شاہے کہ گفتہ است بہ خُدّام ''لا تخف''
تاباں بود زِ خاکِ درش نُورِ دیدہ ام

اردو غزلوں کے اس انتخاب میں غزل کے روایتی تصوف نے بھی رنگ باندھا ہے۔ اور حبِّ رسالت مآبؐ کے پاکیزہ جذبہ نے بھی معنی آفرینی کی ہے۔

اردو فارسی شاعری علی حزیںؒ کے زمانے سے تصوف کو ''برائے شعر گفتن خوب'' سمجھتی آ رہی ہے اور حق یہ ہے کہ دونوں زبانوں کے اکابر شعرا نے تصوف کے وسیلے سے ایسے ایسے لطیف نکات بیان کیے کہ اصحابِ رمز اور صاحبانِ حال جُھوم جُھوم اُٹھے۔ سیّد غلام معین الحق کے ہاں وحدت الوجود

کے رنگ نے کئی جگہ بڑی معنی آفرینی کی ہے۔ ان کی غزل دیکھئے۔

کس نے ہر ایک کو دیوانہ بنا رکھا ہے
کی ہے ہر نقش میں یہ جلوہ نمائی کس نے
ڈھونڈیئے اس کو کہاں پوچھئے کِس کِس سے پتہ
جلوہ گر ایک ہے اور اس کے ٹھکانے لاکھوں
وحدت و کثرتِ جلوہ کا کرشمہ ہے معین
ایک ہے تیرِ نظر اور نشانے لاکھوں

تصوف کا رچاؤ ان کے ہاں ذاتی ہے۔

اپنے انداز سے اُٹھی ہے انا الحق کی صدا
جب کہیں واقعۂ دار و رسن دیکھا ہے

ان کی زبان کی خوبی فارسی دانی کی وجہ سے بھی نکھری ہے۔ ترکیب دیکھئے اور زبان دیکھئے۔

ان کی صورت جمالِ صبحِ ازل
وہ ہیں شانِ خدا، خدا رکھے

رعایاتِ لفظی ومعنوی کا انہوں نے یوں تو پیچھا نہیں کیا۔ لیکن کئی بار بڑی بے تکلفی سے رعایت بندھ گئی۔

اس حقیقت کی صداقت سے ہے انکار کسے
اِنس سے اُنس نہ ہو جس کو وہ انسان نہیں

روایتی حوالہ سے تہذیب پانے والی یہ شخصیت غزل میں بات کرتی ہے مگر بات اللہ کی طرف راجع ہوتی ہے۔ ملاحظہ کیجیے:۔

قریں تر ہے وہ تو دل و جاں سے اپنی
یہ ممکن نہیں ہے اسے بھول جائیں

ذاتِ رسالت مآب ﷺ وہ ذاتِ گرامی ہے جس پر اللہ اور اُس کے فرشتے بھی درود پڑھتے ہیں۔

ہیں اس مقام پہ یکجا خدا کے ساتھ انساں
درود پڑھتے ہیں لکھتے ہیں اُن کے نام سلام

حضرتِ معین گیلانی آنحضور ﷺ کی نعتِ پاک لکھتے ہوئے بھی اور غزل کہتے ہوئے بھی کئی بار آنجناب ﷺ کا سراپا بھی لکھ جاتے ہیں:۔

وہ رُوئے منوّر ہے مہرِ درخشاں
وہ گیسوئے شب گوں ہیں کالی گھٹائیں

اب آنجناب ﷺ سے محبت کرنے والے معین کے طلب کی انتہا دیکھیے:۔

میں ہوا تھا خُلد بدر کبھی مگر اب ہے حکم کہ اِرجعی
مری ابتدا کوئی اور تھی مری انتہا کوئی اور ہے

جہاں وہ نعتِ پاک نہیں لکھ رہے وہاں بھی غزل میں نعتیہ لہجہ دیکھنے کا ہے:۔

بارِ خاطر نہ بنوں اُن کے لیے محفل میں
سنگِ در چُوم کے میں لوٹ ہی آیا اکثر
خضر کی عمر ملے دُور ترے در سے اگر
کوئی ذی ہوش نہیں پینے کا آبِ حیواں

اس شاعری کا ایک روشن رخ یہ ہے کہ اس میں اردو غزل کے روایتی محبوب کے حوالے سے کی جانے والی شاعری اپنی جگہ موجود ہے۔ بلکہ غالب لہجہ غزل ہی کا ہے۔ نعتیہ حوالہ جو مذکور ہوا وہ تو حضرت غلام معین الحق کا مزاجِ ذاتی ہے۔ سو جگہ جگہ غزل میں بھی جگہ بناتا رہے گا۔ یہاں غزل کے کافرادا محبوب کی جفا، وعدہ خلافی، عشوہ گری، فتنہ جوئی، جفائے ناز اور ستم ظریفی کے مضامین بھی ملیں گے اور محبوب سے اپنوں پرایوں کی بدظنی، انکار اور محبوب کی نہیں نہیں کرنے کی عادت اور وصل کے

وعدے سے فرار کے موضوعات بھی۔ یہاں مے و جام ہی کے استعارے نہیں ساقی گری کی ساری روایات بھی قدم قدم ملیں گی۔

گولڑہ شریف میں ریاست رام پور کے نواب خانوادہ کے چشم و چراغ نواب اشک رام پوری آئے اور یہاں سے گذرے ہی نہیں بلکہ تاحینِ حیات مقیم رہے۔ ایسے صاحبانِ زبان کا محفلوں میں بار پانا یہاں کے خانوادۂ عالی کے لیے خصوصاً زبان دانی کے دریچے وا کر گیا اور سب کو اردو غزل کا روایتی ذائقہ بھی دے گیا۔ پنجاب میں اردو سے رغبت قدیم ترین زمانوں سے موجود رہی ہے۔ اس حسن کو نواب رام پور کا لحن سولہ سنگھار دے گیا۔

پیر معین الحق گیلانی کے مزاج میں ایک رچا ہوا ادبی مذاق موجود ہے۔ یہ مزاج کلاسیکی اور روایتی ہے۔ اس اسلوب میں مقبول و معروف زمینوں میں بھی کہا جاتا ہے طے شدہ استعارے اور تماثیل بھی استعمال میں آتے ہیں۔

غزل کے اکابرین کے انداز کی پختگی ان کا مقصود ہے۔ یہ وہ دمکتا ستارہ ہے جو دُور سے چمک دیتا ہے۔ اساتذہ کی زمینیں انہیں راغب کرتی ہیں اور وہ روایتی شان کے ساتھ ان زمینوں میں لکھتے ہیں:۔

درد جب گھٹتا ہے تجھ کو یاد کر لیتا ہوں میں
سُنا کے قِصّۂ غم سب کو سوگوار کیا
لاکھ چھپے وہ پردوں میں بھی لیکن سامنے آئے تو

میرؔ و غالبؔ کی معروف زمین ”گلا میرے بعد“۔ ”جفا میرے بعد“ نیز مومنؔ کی ”ہنستے جو دیکھتے ہیں کسی کو کسی سے ہم“ وغیرہ زمینوں میں بھی بڑے سلیقے سے دادِ مہارت دی ہے۔ شعر دیکھیے۔

کیا قہر ہے کہ پاس سے ہو کر گذر گئے
کیا ظلم ہے کہ دیکھا کئے بے بسی سے ہم

خالص زبان کا شعر ملاحظہ کیجئے۔

دادِ غم دے رہے ہیں مدت سے
داد بھی دیجے غم کے ماروں کو

ذرا محبوب سے معاملاتِ محبت اور مسائلِ محبت کے سلسلے دیکھئے گا۔

یاد آئی ہے کسی شعلہ بدن کی شاید
پھر دلِ سوختہ ساماں سے نکلتا ہے دھواں

شوق سے قطعِ تعلق کیجئے
سوچ لیجے ہو گی رسوائی بہت

ان میں اک پردہ نشیں کا بھی حوالہ ہے معین
اپنے اشعار زمانے کو سنائیں کیسے

یہ کیا طرزِ ستم ہے غیر سے وہ
پتہ کیوں پوچھتے ہیں میرے گھر کا

اس حوالے سے اُن کی غزل جو ''نہیں نہیں'' کی ردیف میں ہے، ان کے سلیقہ مندی کی زبردست گواہ ہے۔ پوری غزل دیکھنے کی ہے:۔

ہر بات پہ وہ آپ کا کہنا نہیں نہیں
نازک لبوں پہ آپ کے سجتا نہیں نہیں

اُن کے ہاں حقیقت و مجاز کی ایک دلنشیں دھوپ چھاؤں الگ ہے ۔ایک غزل میں دیکھئے:۔

بات ایمان کی کرتا ہے تو ایمان کی سُن
جانِ ایماں جو نہیں پھر کوئی ایمان نہیں

اور

نام لیتے ہیں مِرا تیرے حوالے سے بجا
یہ حقیقت ہے مری دوسری پہچان نہیں

حضرتِ معین کی یہ پختگیِ اظہار کلاسیکی مزاج سے رغبت اور اردو فارسی زبانوں اور ادبیات کا سنجیدہ مطالعہ اس کلام کے مطالعہ سے قدم قدم پر جھلکتا ہے۔ گولڑہ شریف کا خانوادۂ مہر یہ خوش قسمت بھی ہے اور ممتاز بھی کہ یہاں ادب کی فضا بھی موجود رہی ہے اور خانقاہ نشینوں میں اُن کے ہاں ادب و شعر دوستی بھی سلامت رہی۔

نثر و نظم کی یہ بخششیں ہر فقیر کی عطا نہیں رہی۔ اللّٰھم زِد فزد۔

☆☆☆

حمد

خُود دل میں کیا گھر بُتِ عیّار کی صُورت
اور خود ہی چلے آئے پرستار کی صُورت

ہر شے میں نظر آئے مجھے یار کی صُورت
دیکھی ہے کبھی گل میں کبھی فار کی صُورت

خود ساقی و میخانہ ہے خود ساغر و مَے بھی
اور خود ہی پیئے مست قدح خوار کی صُورت

وہ صاحبِ اسرار کہ ہے سرِّ نہاں بھی
ہے جلوہ نما کاشفِ اسرار کی صُورت

دل میں ہے نہاں اور نگاہوں سے چھپا ہے
اے کاش ہو پیدا کوئی دیدار کی صورت

کہنا ہی پڑا اشکوں سے احوالِ غمِ دل
جب کوئی نظر آئی نہ اظہار کی صورت

ہر حال میں بندوں پہ وہ کرتا ہے عنایت
ستّار کی صورت کبھی غفّار کی صورت

دِن رات معین اپنی دُعا حق سے یہی ہے
آجائے نظر احمدؐ مختار کی صورت

☆☆☆

نعت

روضۂ پاک پہ حاضر ہوں، یہی کافی ہے
حالِ دل کہنے کو آنکھوں کی نمی کافی ہے

مجھ کو حاصل ہے محمدؐ کی غلامی کا شرف
میری بخشش کیلئے نامِ نبیؐ کافی ہے

میری اوقات ہی کیا اور میں کیا عرض کروں
مجھ کو بلوا لیا طیبہ میں یہی کافی ہے

اے خوشا، مجھ کو حضوری کی سعادت بخشی
مجھ سے رُودادِ الم میری سنی کافی ہے

میں کہاں اور کہاں اُن کی نگاہِ رحمت
جو بھی اُن سے مجھے خیرات ملی کافی ہے

مجھ سِیہ رُو کی بدل جائے گی دنیا آقاؐ!
آپؐ کی ایک نظر لُطف بھری کافی ہے

رُوزِ محشر مجھے بخشش کا کوئی خوف نہیں
رحمتِ ہاشمیؐ و مطّلبی کافی ہے

کچھ نہیں مانگتا جُز عشقِ نبیؐ تیرا معین
اے خدا! میرے خدا! مجھ کو یہی کافی ہے

☆☆☆

یادوں کے دریچے

ہم جب بھی کُھلے پاتے ہیں یادوں کے دریچے
خُوشبوئے حرم لاتے ہیں یادوں کے دریچے

جو لمحے کہ گذرے ہیں درِ مصطفویؐ پر
منظر وہی دِکھلاتے ہیں یادوں کے دریچے

جب پیشِ نظر ہوتا ہے وہ روضۂ اقدس
انوار ہی چمکاتے ہیں یادوں کے دریچے

جب کرتا ہوں میں گُنبدِ خضریٰ کا تصّور
بیساختہ کُھل جاتے ہیں یادوں کے دریچے

یہ دولتِ عقبیٰؐ ہے معین امرِ خدا سے
دنیا مری مہکاتے ہیں یادوں کے دریچے

☆

دل کو اسیرِ گیسوئے جاناں کئے ہوئے
ہر سانس کو ہیں قیدیٔ زنداں کئے ہوئے

ہم ہیں شبِ فراق ہے اور داغہائے غم
بیٹھے ہیں صحنِ دل میں چراغاں کئے ہوئے

باقی رہا نہ ہوش کسی کو وہ آئے جب
ناز و ادا سے زلف پریشاں کئے ہوئے

دامن ہے تار تار تو دل چاک چاک ہے
ہم دعوتِ نظر کا ہیں ساماں کئے ہوئے

تیری نظر کی خیر کہ ہر زخمِ دل ہے پھول
فرقت میں بھی ہیں جشنِ بہاراں کئے ہوئے

جانِ بہار! تیرے تصوّر سے رات دن
ہیں دشتِ دل کو رشکِ گلستاں کئے ہوئے

شاید کہ مل ہی جائے کبھی گوہرِ مراد
دل کو ہیں غرقِ بحرِ غمِ جاں کئے ہوئے

کعبہ سے بے نیاز ہوئے جب سے ہم معین
ان کو حریمِ دل میں ہیں مہماں کئے ہوئے

☆☆☆

☆

زلفِ جاناں کو جہاں سایہ فگن دیکھا ہے
بے اثر نافۂ تاتار و ختن دیکھا ہے

ہم کنکھیوں سے بھی یہ بات سنا سکتے ہیں
تیری نظروں میں یہ اندازِ سخن دیکھا ہے

ماننا چاہیے اعجاز ترے حسن کا یہ
دشتِ بے برگ کو صد رشکِ چمن دیکھا ہے

چشمِ افلاک نے کونین میں تجھ سا نہ کہیں
خوش ادا ، ہوشربا ، غنچہ دہن دیکھا ہے

دستِ صیّاد ہے پوشیدہ گُلوں میں ، ہم نے
باہمہ حیلۂ نو دامِ کہن دیکھا ہے

اپنے انداز سے اُٹّھی ہے انا الحق کی صدا
جب کہیں واقعۂ دار و رسن دیکھا ہے

مرحبا عشق ! کہ مر کر جسدِ مجنوں پر
سب نے خاکِ درِ لیلیٰ کا کفن دیکھا ہے

شمعِ محفل بھی ہوئی جس کی نظر سے روشن
ہم نے ایسا بھی معین آتشیں تن دیکھا ہے

☆☆☆

☆

خواہش و آرزو و حسرت و ارمان نہیں
دِل میں کچھ بھی تو سِوا تیرے، مری جان نہیں

بات ایمان کی کرتا ہے تو ایمان کی سُن
جانِ ایماں جو نہیں پھر کوئی ایمان نہیں

دیکھ دُشوار نہیں عاشق و معشوق میں ربط
حُسن خود بیں ہو اگر، عشق پھر آسان نہیں

نام لیتے ہیں مِرا' تیرے حوالے سے بجا
یہ حقیقت ہے مِری دوسری پہچان نہیں

خاک ہو کر بھی نہ پہنچوں گا میں اُن کے در تک
زندگی تجھ سے مِرا ایسا تو پیمان نہیں

اس حقیقت کی صداقت سے ہے انکار کسے
اِنس سے اُنس نہ ہو جس کو وہ انسان نہیں

سجدۂ عشق کہاں سب کے مقدّر میں معین
کربلا کرنا بپا یہ کوئی آسان نہیں

☆☆☆

☆

زمانے میں بے مثل اُن کی ادائیں
جفائیں ہیں خوش اور خوش تر وفائیں

مجھے لذّتِ غم سے مِلتی ہے راحت
مرے چارہ سازوں سے کہہ دوٗ نہ آئیں

قریں تر ہے وہ تو رگِ جاں سے اپنی
یہ ممکن نہیں ہم اسے بھُول جائیں

وہ رُوئے منوّر ہے مہرِ درخشاں
وہ گیسوئے شب گوں ہیں کالی گھٹائیں

نفس سے بکھیریں حیات آفرینی
تبسّم سے غنچوں کو کِھلنا سکھائیں

خراماں خراماں اُٹھائیں قدم جب
تو اٹکھیلیاں بھُول جائیں ہوائیں

غمِ دل چُھپائیں زمانہ سے بے شک
غمِ دل مگر اُن سے کیسے چھپائیں

جِنہیں عرش بھی بوسہ دے کر تھا نازاں
ہم اُن پاک قدموں کے قربان جائیں

مری بے زبانی سنا دے گی سب کچھ
ذرا وہ نظر سے نظر تو ملائیں

معین ان کی توصیف کا حق ادا ہو
کہاں سے کمالِ بیاں ایسا لائیں

☆☆☆

☆

دل کے زخموں میں تازگی ہے ابھی
اِن چراغوں میں روشنی ہے ابھی

سُوکھ جائیں نہ منتظر آنکھیں
اُن میں اُمیّد کی نمی ہے ابھی

چشمِ گُلچیں کی زد میں ہے یارو!
ایک کونپل جو کچھ کِھلی ہے ابھی

ہجر کی اُن سیاہ راتوں کی
میری آنکھوں میں تیرگی ہے ابھی

دے نہ مجھ کو شراب پیرِ مغاں
چشمِ ساقی سے میں نے پی ہے ابھی

کیسے سیراب ہو دلِ مجبور
اُس کے وعدوں میں تشنگی ہے ابھی

شعلۂ جاں میں ہے وہ چنگاری
راکھ میں جو ذرا دبی ہے ابھی

میرے دل کی طرح تھی یہ آباد
جو گلی یوں اجڑ گئی ہے ابھی

اُن کی آنکھوں میں بھی ہیں اشک معین
کچھ ہی رُودادِ غم سُنی ہے ابھی

☆☆☆

☆

گر جفاؤں پر تُلا ہے آسماں میرے لئے
کاش ہو جاؤ تمہیں کچھ مہرباں میرے لئے

یہ زمیں میرے لئے یہ آسماں میرے لئے
ہیچ ہیں، تُو گر نہیں ہے جانِ جاں میرے لئے

رات کی خاموشیوں میں یاد جب آیا کوئی
بن گیا ہے جوں قفس یہ آشیاں میرے لئے

توبہ توبہ! نا مرادی، توبہ توبہ! بیکسی
ہر قدم پر عشق میں ہے امتحاں میرے لئے

نَے بہار و نَے قرار و نَے سکونِ دِل نصیب
اُس جہاں میں ہوں، نہیں کچھ بھی جہاں میرے لئے

کیا ہُوا گر خاک کر ڈالا نشیمن، برق نے
یہ بنا لُوں اے ہَوا! لا تیلیاں میرے لئے

اے نگاہِ ملتجی! کیوں آسماں کو دیکھئے
ہوسکوں دُنیا میں لیکن یہ کہاں میرے لئے

یوں کیا قابُو محبت نے مرا دل، جس طرح
رہ گئی تھی یہ بلائے نا گہاں میرے لئے

آشیاں بندی جو کی میں نے تو غصّے میں معین
پھر بھڑک اُٹھی کہیں برقِ تپاں میرے لئے

☆☆☆

☆

کوئی اپنا غم آشنا نہ ہوا
غیر کیا دل بھی با وفا نہ ہوا

ہے تصوّر ترا ہی، جو مجھ سے
زندگی بھر کبھی جُدا نہ ہوا

واہ رے ، بدنصیبیاں میری
ہوش آیا تو وہ روانہ ہوا

رُخ سے پردہ ہٹا کے وہ بولے
سورج آخر طلوع کیا نہ ہوا؟

سُن کے نالہ وہ غمزدہ ہوتے
کیا بھلا ہے کہ یہ رسا نہ ہوا

وہ سماعت پہ مہربان ہوئے
پھر بھی کچھ عرضِ مدّعا نہ ہوا

ہم نے چاہا مگر محبت کا
حادثہ ، ہائے رُونما نہ ہوا

تھیں بہت ہی معین اُمّیدیں
کچھ مگر حاصلِ دُعا نہ ہوا

☆☆☆

☆

قصّۂ غم نہ بنی، درد بداماں نہ ہوئی
زندگی کیا جو ترے واسطے قُرباں نہ ہوئی

گر یہ ہستی مری خاکِ درِ جاناں نہ ہوئی
نقش بر آب رہی، حاصلِ دوراں نہ ہوئی

جذبۂ عشق تری خیر! کہ دل کی بستی
سیلِ آلام کئی آئے، یہ ویراں نہ ہوئی

بڑھ گیا ذوقِ جنوں، درد ہوُا دل میں سوا
اُن کے آنے سے بھی مشکل کوئی آساں نہ ہوئی

اب بھی یادوں کے دریچے سے جھلکتی ہے کبھی
وہ نظر جو مرے دُکھ درد کا درماں نہ ہوئی

اُن کی باتوں میں تھا اک حسنِ فریبِ وعدہ
پھر بھی کیوں تیری تسلی دلِ ناداں نہ ہوئی

وائے وہ حسرتِ دیدار جو دل میں ہی رہی
اشکِ خوں بن کے کبھی رونقِ مژگاں نہ ہوئی

سانس تو آئے، ترا نام نہ آئے لب پر
شُکر ہے ایسی تو صورت کبھی اے جاں نہ ہوئی

یاد ہے ماند رہا حُسن، شبِ وصل معین
جب تلک زلفِ گرہ گیر پریشاں نہ ہوئی

☆☆☆

☆

چین مجھ کو نہ شبِ وصل بھی آیا اکثر
پھر سے دُوری کے تصوّر نے ستایا اکثر

بارِ خاطر نہ بنوں اُن کے لئے محفل میں
سنگِ در چُوم کے میں لَوٹ ہی آیا اکثر

اہلِ دُنیا کی حریفانہ روش کو میں نے
بھولنا چاہا مگر بھول نہ پایا اکثر

دیکھ کر چاک گریبان مرا، جان گئے
عشق کا سرِّ نہاں لاکھ چھپایا اکثر

آزمائش میں رہے رند ہمیشہ ساقی!
جامؔ گردش میں بھی ان تک نہیں آیا اکثر

شامِ تنہائی تو دائم رہی آباد مری
بے تکلّف جو تصوّر میں وہ آیا اکثر

ہے کرشمہ مِری معراجِ محبت کا معین
ساتھ اُنہیں، ہجر کی راتوں میں بھی پایا اکثر

☆☆☆

☆

محوِ حیرت ہیں مرے حال پہ کیوں اہلِ جہاں
کہ حقیقی ہے مرا ورثۂ عشقِ یزداں

یاد آئی ہے کسی شعلہ بدن کی شاید
پھر دلِ سوختہ ساماں سے نکلتا ہے دُھواں

لذّتِ زخمِ نظر ، مرہم و درماں میں نہیں
بادۂ غم کا مزا جامِ مسرت میں کہاں؟

خِضر کی عمر مِلے دُور ترے در سے اگر
کوئی ذی ہوش نہیں پینے کا آبِ حیواں

مارِ گنجینۂ سلطاں کی طرح، دیکھو تو
رُوئے جاناں پہ ہے بکھری ہوئی زلفِ پیچاں

بندۂ عشق ہوں میں، عشق سے ہے عشق مجھے
عشق ہے روح مری، اور مرا عشق ہی جاں

ہیچ ہیں ہیچ یہ سب عیش و نشاطِ دنیا
شادباش اے غمِ الفت ہے تُو راحت ساماں

صاحبِ عشق ہوئے جو بھی زمانے میں معین
حُسن کی شمعِ ازل سے ہیں سبھی شعلہ بجاں

☆☆☆

☆

سو بار کیا وعدہ پر آئے نہ اِدھر کو
حسرت سے ہی تکتے رہے ہم راہگزر کو

آتی ہے یہ چُھو کر بُتِ طنّاز کے گیسُو
سانسوں میں سمو لیتا ہوں میں بادِ سحر کو

یہ عکسِ جمالِ رُخِ محبوب ہے یارو!
ہر سُو نظر آتا ہے وہی دیدۂ تر کو

کچھ یادیں ہیں، کچھ درد ہے، کچھ حسرت وارماں
کافی ہے یہ سامان مِرے زادِ سفر کو

پژمردہ نہ ہوں وہ تو ہمیشہ رہیں خنداں
کس رشک سے گُل دیکھتے ہیں زخمِ جگر کو

بیٹھا ہے زمانے سے وہ اُمّید لگائے
جائے گا کہاں چھوڑ کے سائل ترے در کو

یہ دلکشی و نازکی و تازگیِ حُسن
اُس عارضِ گلگوں سے مِلی ہے گُلِ تر کو

اب تابِ نظارہ مری آنکھوں میں نہیں ہے
دیکھا ہے کئی بار جو لُٹتے ہوئے گھر کو

لینے کو معین آئے سرِ عرش، ملائک
اللہ نے معراج عطا کی ہے بشر کو

☆☆☆

☆

بس اک قطرے میں آنسو کے نہاں ہے
بہت ہی مختصر سی داستاں ہے

وہی ہے نسلِ آدمؑ پھر نہ جانے
جو سوزِ عشق پہلے تھا کہاں ہے؟

محبت میں صداقت کا تصوّر
یہ سچ پوچھو اگر یکسر گماں ہے

تجھے اب طُور پر وہ کیوں بُلائے
کہ دل وارفتۂ حُسنِ بتاں ہے

جبیں میری جُھکی جاتی ہے خود ہی
نہ جانے کِس کا سنگِ آستاں ہے

فریبِ وعدۂ فردا کے قرباں
دلِ پژمردہ زندہ ہے ، جواں ہے

مرے ذوقِ جنوں! میرِ سفر بن
کہ دشتِ جستجو تو بیکراں ہے

کبھی احوالِ غم ہی پُوچھ لیتے
معینِ خستہ دل' آزردہ جاں ہے

☆☆☆

☆

عشقِ جاناں کو اگر دل میں بسایا ہوتا
اپنی ہستی کا بھی احساس مٹایا ہوتا

تیرے دیدار کا رہتا بھی کسے ہوش بھلا
پردۂ ناز اگر رُخ سے ہٹایا ہوتا

گُلشنِ دل ، تپَشِ غم میں بھی رہتا تازہ
گر ترے گیسوئے پُر پیچ کا سایا ہوتا

چُوم لیتا میں ترے دستِ جفا کو جاناں!
زخم پر زخم بھی گر تو نے لگایا ہوتا

ذِکر دن رات کیا جِن کا محبت سے کبھی
اُن کے ناموں میں مرا نام ہی آیا ہوتا

دیکھتے ہم بھی رقیبوں کی طرف رشک کے ساتھ
کاش اِک بار ہی محفل میں بُلایا ہوتا

دشتِ تنہائی میں احساس ہوُا ہے اکثر
کاش دنیا میں کوئی اپنا پرایا ہوتا

مُرغِ دل آتا نہ صیّاد کے قابو میں معین
دامِ ہمرنگِ زمیں گر نہ بچھایا ہوتا

☆☆☆

☆

فصلِ گُل بے رنگ و بُو، اے جانِ جاں! تیرے بغیر
کیجئے کیا جُستجو، اے جانِ جاں ! تیرے بغیر

بے مزا سب ہاؤ ہُو، اے جانِ جاں! تیرے بغیر
بے اثر میری نمُو، اے جانِ جاں! تیرے بغیر

کون ہو سکتا ہے حُسنِ زندگی ، جانِ حیات
اور جانِ آرزو، اے جانِ جاں! تیرے بغیر

اِک ادائے دلبرانہ ، اک نگاہِ نیم باز
کون ہے یہ فتنہ جُو، اے جانِ جاں ! تیرے بغیر

کیوں کریں آب و تیمّم کا شبِ غم اہتمام
ہو گا اشکوں سے وضو، اے جانِ جاں! تیرے بغیر

مے کو چھوڑا جام توڑا اور خوشی سے پی گیا
بادۂ غم کا سبو، اے جانِ جاں! تیرے بغیر

رات دن ہے کب سے سرگرداں، معینِ خستہ جاں
قریہ قریہ، کُو بکُو، اے جانِ جاں! تیرے بغیر

☆☆☆

☆

ہر بات پر وہ آپ کا کہنا، نہیں نہیں
نازک لبوں پہ آپ کے سجتا نہیں، نہیں

اپنوں کے ساتھ غیر بھی بدظن ہوئے ہیں آج
دیکھو تو رنگ لائی ہے کیا کیا، نہیں نہیں

ساقی نے سب کو جام دیئے بھر کے بزم میں
دیکھا مجھے تو ہنس کے کہا، جا، نہیں نہیں

کیا جانیں کس کی آہِ رسا ہو اثر پذیر
اے جاں! کہا نہ کیجئے بیجا نہیں نہیں

انکار میں بھی ہے ترے اک حُسنِ التفات
کہنا پھر ایک بار خدارا، نہیں نہیں

اہلِ جنوں کے واسطے دنیائے عشق میں
اک نغمۂ حیات ہے، تیرا نہیں نہیں

حُسنِ گماں ہے آپ کا، بولے بصد ادا
میں نے کیا ہے؟ وصل کا وعدہ، نہیں نہیں

زندہ ہیں جن کے حسنِ جفا سے معین اب
ان سے کریں گے؟ ہم کبھی شکوہ، نہیں نہیں

☆☆☆

☆

دردِ پیہم کی آرزو کیجے
راحتِ غم کی آرزو کیجے

عشق میں ہے دوائے تشنہ لبی
دیدۂ نم کی آرزو کیجے

دل ہو بینا اگر تو کیوں ناحق
ساغرِ جم کی آرزو کیجے

عیشِ ناپائیدار کے بدلے
عشرتِ غم کی آرزو کیجے

عارضِ گُل کو ہو طلب جس کی
ایسی شبنم کی آرزو کیجے

جلوۂ یار سے جو تاباں ہو
ایسے عالم کی آرزو کیجے

راحتوں میں کہاں وہ لطف، معین
درد کی، غم کی آرزو کیجے

☆☆☆

☆

میں کیوں درماں کروں دردِ جگر کا
میں چھوڑوں ساتھ کیوں اِس ہمسفر کا

دِل رنجور کب سے مُنتظِر ہے
مرے محسن! ترے تیرِ نظر کا

جبینِ عشق میں ہے ذوقِ سجدہ
ترے کوچے کا، تیرے سنگِ در کا

یہ کیا طرزِ ستم ہے غیر سے وہ
پتہ کیوں پوچھتے ہیں میرے گھر کا

ہوئے محفل میں وہ بھی آبدیدہ
یہ ہے اعجاز میری چشمِ تر کا

ترے در تک تو پہنچی خاک میری
کرم اس پر ہے یہ بادِ سحر کا

عیاں کو بھی نہاں دیکھیں اگر ہم
تو یہ دھوکا ہے اپنی ہی نظر کا

معین آئینے پہ ڈالی نظر جب
تو دیکھا جلوہ اپنے عشوہ گر کا

☆☆☆

☆

آج کس گلبدن کی یاد آئی
ہر طرف فصلِ گل سی لہرائی

یوں نہ ہوتی جہاں میں رُسوائی
دل نہ ہوتا جو تیرا شیدائی

گُنگنائی صبا، کلی چٹکی
صُبحدم کس نے لی ہے انگڑائی

کون کافر ادا ہے محوِ خرام
تھم گئی چلتے چلتے پُروائی

یُوں گھٹائیں جو پانی پانی ہیں
زلف کس نے بھگوئی لہرائی

یاد سے کس کی دل میں ٹِیس اُٹھی
آپ ہی آپ آنکھ بھر آئی

ہے معین اصل میں یہ ناموری
ان کی خاطر اگر ہو رُسوائی

☆☆☆

☆

یاد تِری نہ ہو اگر، زندگی زندگی نہیں
اِس کے بغیر میں جیوں، ایسا بھی ہو، کبھی نہیں

بندۂ حُسن ہوں، مُجھے عشق ہے اپنی ذات سے
اور اسی لیے کہیں میری نظر جمی نہیں

تیرے جمال کی قسم ، تیرے جلال کی قسم
سچ ہے کمالِ حُسن کا تیرے جواب ہی نہیں

ہو نہ سکا وہ کامراں ، مِل نہ سکی اُسے بقا
زندگی جس کی جانِ جاں ! تیرے لئے مِٹی نہیں

بات ہی بات میں کبھی چھیڑی جو بات وصل کی
لاکھ بنائی بات پَر ، بات کبھی بنی نہیں

اُس کی جفائے ناز میں کوئی کمی کبھی نہ ہو
میری وفائے عشق میں کوئی کمی کبھی نہیں

درد کی داستاں معین ان کو سناؤں تو مگر
سُن کے وہ دیکھتے ہیں یوں جیسے ابھی سُنی نہیں

☆☆☆

☆

رنگ و بوئے چمن کی بات کرو
سوسن و نسترن کی بات کرو

ذِکر سے جس کے پھول کِھلتے ہیں
ہاں، اُسی گلبدن کی بات کرو

فصلِ گل کی اگر تمنا ہے
حُسنِ غنچہ دہن کی بات کرو

سارا عالم مہک مہک اُٹھّے
صاحبِ مُشک تن کی بات کرو

چشمِ یعقوبؑ پھر سے روشن ہو
خوشبوئے پیرہن کی بات کرو

حُسنِ شیریں تو اک علامت ہے
تیشہ و کوہکن کی بات کرو

جامِ نو تو بہت ہی نازک ہیں
تم سفالِ کہن کی بات کرو

موت ہے منزلِ حیات معین
مجھ سے دار و رسن کی بات کرو

☆☆☆

☆

مری خاک کو اڑائے وہ کہاں کہاں نہ پہنچا
جو ہوا کا تیز جھونکا ترے گلستاں نہ پہنچا

مرا شوقِ آگہی تھا کہ جنونِ عاشقی تھا
مجھے لے گیا جہاں تک کوئی بھی وہاں نہ پہنچا

وہ نگاہِ شوق کیسی؟ رُخِ یار تک نہ پہنچی
وہ سرِ نیاز کیسا؟ کہ بہ آستاں نہ پہنچا

یہ گماں کہ جی نہ اُٹھے یہ ہجومِ شکوہ سنجاں
وہ مسیح ذات قاتل سرِ کشتگاں نہ پہنچا

رہوں حشر تک میں تشنہ مئے دید کا لہٰذا
دمِ آخریں بھی مِلنے مرا مہرباں نہ پہنچا

سرِ دار بھی چڑھا میں، تہِ تیغ بھی جُھکا میں
تری جستجو میں جاناں ! میں کہاں کہاں نہ پہنچا

وہ کہ جانِ داستاں تھا، وہ جو حاصلِ بیاں تھا
رہا دل میں درد بن کر وہ سرِ زباں نہ پہنچا

سرِ عرش بھی گیا وہ ، درِ یار پر بھی گونجا
مرا نالۂ محبت معین اُف کہاں نہ پہنچا

☆☆☆

☆

ترے بغیر خزاں کی طرح بہار لگے
گُلِ شگفتہ بھی شبنم سے اشکبار لگے

یہ جستجوئے مسلسل یہ گردشِ پیہم
کسی کی یاد میں سب دہر بیقرار لگے

خُوشی سے محفلِ جاناں میں زمزمے گُونجے
شکستِ دل کی صدا کیوں نہ خُوشگوار لگے

ترِی نگاہ کی مستی کا ہے اثرؔ جاناں!
کہ جو بھی بزم سے نکلے وہ بادہ خوار لگے

یہ رنگِ گل، یہ طلوعِ سحر، یہ حسنِ شفق،
ترے بغیر مجھے آتشِ چنار لگے

میں کیوں نہ دل سے غمِ یار کو لگا رکھوں
زمانہ بھر میں یہی تو وفا شعار لگے

گلی گلی ہے چراغوں کی روشنی لیکن
نہ جانے شام سے کیوں شہر سوگوار لگے

کلی نے سیکھا ہے کِھلنا ترے تبسّم سے
ترے جمال کی دریوزہ گر بہار لگے

نگاہِ ناز نے اک بار ہی کیا گھائل
معین دل پہ یہی زخم بار بار لگے

☆☆☆

☆

سُنا کے قِصّۂ غم سب کو سوگوار کیا
غضب کیا کہ جہاں بھر کو اشکبار کیا

ستم ظریف نے پُوچھا یہ بے نیازی سے
تمہارا دامنِ دل کس نے تار تار کیا

نہ جانے کون سحر دم یہاں تھا محوِ خرام
یہ کس نے صحنِ گلستاں کو مشکبار کیا

کلی کلی کو سنائی نوید کِھلنے کی
صبا سے میں نے جو کل صبح ذکرِ یار کیا

نگاہِ ناز سے دل کو ہزار زخم دیئے
یہ التفات سرِ بزم بار بار کیا

نہ چُھو سکی اُسے بادِ خزاں کبھی جاناں!
تِری نگاہ نے جس پُھول کو بھی پیار کیا

تری نظر تھی قیامت یہ جس طرف اُٹھّی
تمام حجرہ نشینوں کو مَے گُسار کیا

تری نگاہ نے رنگین زخم ایسے دیئے
کہ دشتِ دل کو مرے رشکِ لالہ زار کیا

جنونِ عشق رہا زندہ، قبر میں بھی معین
کِسی کے قدموں کا ہر لحظہ انتظار کیا

☆☆☆

☆

مرے محسن! بس اِتنا ہی کرم ہو
تِرا حُسنِ جفا ہر گز نہ کم ہو

میں رسمِ عاشقی سے آشنا ہوں
کہ دل میں درد ہو آنکھوں میں نم ہو

یہی ہے خُوگرِ غم کی تمنّا
اگر غم ہو تو غم بالائے غم ہو

جو پھر جائیں تری مے ریز نظریں
جہانِ عشق و مستی زیر و بم ہو

تِرے ہونٹوں سے چُھو جائے جو ساغر
ہمیشہ ہی وہ رشکِ جامِ جم ہو

نہ دردِ دل میں کوئی ہو کمی پھر
خوشا، ایجاد وہ طرزِ ستم ہو

جو تیرے ہو گئے اُن پر خدا کی
عنایت ہو ، تلطُّف ہو ، کرم ہو

معین اُس میں اُٹھیں طوفان ہر دم
بیاں گر قصّۂ غم یم بہ یم ہو

☆☆☆

☆

جستجو میں تری مت پوچھ یہ کیا مِلتا ہے
رنگ و بے رنگ میں تیرا ہی پتہ مِلتا ہے

مجھ پہ یہ سرِّ نہاں فاش کیا رومیؔ نے
خود کو نابود ہی کرنے سے خدا مِلتا ہے

تیرے کوچے میں بہت خوش ہوں کہ سجدے کیلئے
ہر قدم پر ترا نقشِ کفِ پا مِلتا ہے

تیری بخشش کا ہے انداز زمانے سے جدا
بے طلب اپنی طلب سے بھی سوا مِلتا ہے

بحرِ رحمت میں تلاطم جو بپا کر ڈالے
جانے کس وقت وہ اک حرفِ دُعا مِلتا ہے

منزلِ شوق ہے یہ خارِ مغیلاں کی قسم
کس قدر خوش مجھے ہر آبلہ پا مِلتا ہے

کیوں نہ ہو مجھ کو ترے غم سے محبت، جاناں!
لذّتِ غم سے مجھے غم کا صِلہ مِلتا ہے

جس کے جلووں کو ترستی ہیں نگاہیں سب کی
دل میں جھانکو تو وہی جلوہ نما مِلتا ہے

وہ بصد شوق جفا پر رہے مائل کہ معین
جان پر سہہ کے جفا، جانِ وفا مِلتا ہے

☆☆☆

☆

کوئی شکوہ نہ شکایت نہ گِلا میرے بعد
بدلی بدلی نظر آتی ہے فضا میرے بعد

خُوگرِ جور و جفا مجھ سا نہ ہو گا کوئی
’’یاد آئے گی تُجھے میری وفا میرے بعد‘‘

گُل پریشاں ہیں، بہاروں نے سمیٹے آنچل
جانے گلشن میں چلی کیسی ہوا میرے بعد

تُو نے تنہائی کے لمحوں میں یہ سوچا ہے کبھی
کس پہ اُٹھّے گا ترا دستِ جفا میرے بعد

میرے خوابوں کے جزیرے تو تہِ آب ہوئے
اب کدھر جائے گا تُو سیلِ بلا! میرے بعد

ان کے قدموں سے لپٹنے کی تمنّا میں معین
شوقِ پرّاں میرے ذرّوں کو مِلا میرے بعد

☆☆☆

☆

اپنے دیار میں بھی رہے اجنبی سے ہم
اس بیکسی کا شکوہ کریں کیا کسی سے ہم

آسُودگی کا ایک بھی لمحہ اگر مِلا
سو بار پُھوٹ پُھوٹ کے روئے خوشی سے ہم

ہر ذرّہ کعبۂ دلِ عُشّاق ہے یہاں
کافر نہیں کہ جائیں تمہاری گلی سے ہم

کیا قہر ہے کہ پاس سے ہو کر گذر گئے
کیا ظلم ہے کہ دیکھا کئے بے بسی سے ہم

بربادیٔ چمن کا خزاں سے گِلا نہیں
کہ فصلِ گُل بھی کاٹتے ہیں بے دلی سے ہم

نَے آرزوئے وصل ہے نَے حسرتِ جمال
بیگانہ ہیں معین خیالِ دوئی سے ہم

☆☆☆

☆

آتشِ عشق زمانے میں لگائی کس نے
حُسن کی صورتِ خوش زیب بنائی کس نے

کس نے میخانۂ ہستی کو سجایا ہے یہاں
میکشی اہلِ محبت کو سکھائی کس نے

مفت دنیا میں ہیں بد نام محبت کے لئے
حسن کی بزمِ حسیں یاں پہ سجائی کس نے

دار پر کون چڑھا صورتِ منصور یہاں
جست، نمرود کی آتش میں لگائی کس نے

کس نے ہر ایک کو دیوانہ بنا رکھّا ہے
کی ہے ہر نقش میں یہ جلوہ نمائی کس نے

جامؔی و سعدؔی و رومؔی کی زباں ہے کس کی
نغمۂ مؔہر میں کی نغمہ سرائی کس نے

کس نے محرومِ محبت کو دِیا درسِ وفا
رسمِ تسلیم و رضا ہم کو سکھائی کس نے

کوئی بھی فرد ہوُا اہلِ مروّت کا معین
اُن کو الفت کی رہ و رسم بتائی کس نے

☆☆☆

☆

کیجے کیوں ترکِ محبت کے بہانے لاکھوں
جب زمانے کی زباں پر ہیں فسانے لاکھوں

اب رہ و رسمِ زمانہ کو تو الزام نہ دو
مل ہی جائیں گے نہ مِلنے کے بہانے لاکھوں

مجھ سے کیوں پوچھتے ہیں اُن کی محبت کا مآل
لوگ کیوں آتے ہیں یوں دل کو دُکھانے لاکھوں

پیار کی بات نہ کر تیرے ستم کے مارے
جاں بلب ہوں گے زمانے میں پرانے لاکھوں

سجدۂ عشق کا سمجھا نہ کوئی، رازِ نہاں
نقشِ سجدہ کو مگر آئے مٹانے لاکھوں

کب بُجھاتا ہے کوئی آگ پرائی لیکن
کیا زمانہ ہے کہ آتے ہیں لگانے لاکھوں

ڈھونڈیئے اُس کو کہاں پوچھئے کس کس سے پتہ
جلوہ گر ایک ہے اور اس کے ٹھکانے لاکھوں

عشقِ مجنوں سے ہوُا شہرۂ حسنِ لیلیٰ
ورنہ بکھرے ہیں محبت کے فسانے لاکھوں

وحدت و کثرتِ جلوہ کا کرشمہ ہے معین
ایک ہے تیرِ نظر اور نشانے لاکھوں

☆☆☆

☆

درد جب گھٹتا ہے تجھ کو یاد کر لیتا ہوں میں
اِک نئی دنیائے غم آباد کر لیتا ہوں میں

خامشی سے شکوۂ بیداد کر لیتا ہوں میں
اک نئی طرزِ فغاں ایجاد کر لیتا ہوں میں

حُسن والوں سے شکایت کب مجھے مقصود ہے
دل کے بہلانے کو کچھ فریاد کر لیتا ہوں میں

رہروِ الفت ہوں، تنہائی کا کیا خوف وخطر
منزلِ غم ہر قدم آباد کر لیتا ہوں میں

شامِ غم جب ہوش آتا ہے مجھے اے ہمنشیں !
آہ بھر کے شکوۂ بیداد کر لیتا ہوں میں

بُھول ہی جاتا ہوں اپنے آپ کو اکثر مگر
بُھولنے والے کو پھر بھی یاد کر لیتا ہوں میں

مہربانی سے توجہ دے کے سنتے ہیں جو وہ
اُن کی اُلفت کی بیاں رُوداد کر لیتا ہوں میں

کیوں نہ مجھ کو ناز ہو اس کامرانی پر معین
اپنی ناکامی سے اس کو شاد کر لیتا ہوں میں

☆☆☆

☆

پیمانِ وفا ہم سے غیروں سے ملاقاتیں
اس صُورتِ زیبا پر سجتی نہیں یہ باتیں

ہو اشکِ شبِ ہجراں یا آہِ سحر گاہی
مشکل سے ہی ملتی ہیں یہ عشق کی سوغاتیں

غمخانۂ دل میرا روشن ہے ترے دم سے
ہر شام اُترتی ہیں دکھ درد کی باراتیں

اظہارِ تشکّر کو بہہ جاتے ہیں کچھ آنسو
جب دل پہ لگاتا ہے اک شخص نئی گھاتیں

دنیائے محبت میں تفریق نہیں ہوتی
قومیں نہ قبیلے ہیں فرقے ہیں نہ ہیں ذاتیں

کیوں دیدۂ گریاں کی دن رات روانی سے
شرما کے معین اکثر رک جاتی ہیں برساتیں

☆☆☆

☆☆☆

میں خوشی کو جانتا کیا جو وہ غمزدہ نہ کرتے
مجھے دردِ دل نہ دیتے مرا غم سوا نہ کرتے

مرا آشیاں جلایا مجھے لا مکاں بنایا
یہ بقا کہاں سے ملتی وہ اگر فنا نہ کرتے

مجھے سرِّ لاالٰہ کی کبھی آگہی نہ ہوتی
جو غمِ جہاں سے بڑھ کر کوئی غم عطا نہ کرتے

مری شمعِ زندگی تو مجھے ساتھ ہی جلاتی
کہ یہ حشر تک نہ بُجھتی تم اگر جدا نہ کرتے

سرِ بزم گر بُلا کر ہمیں تم نہ کرتے رُسوا
تیرا ہر ستم اٹھاتے پہ کبھی گِلا نہ کرتے

کبھی اے شہیدِ ایماں! یہ جہاں نہ زندہ ہوتا
سرِ نیزہ بندگی کا جو حق آپ ادا نہ کرتے

مرا جذبۂ محبت نہ معین جگمگاتا
وہ اگر ستم نہ کرتے وہ اگر جفا نہ کرتے

☆☆☆

☆

ڈھونڈھئے کیا اِس زمانے میں طبیعت آشنا
اب کہاں دل آشنا سارے ہیں صورت آشنا

کیا خزاں چھائی ہے صحنِ عشق ہے بے برگ و بار
کاش مِل جاتا ہمیں کوئی محبت آشنا

دیکھ کر تیری گلی میں زاہدِ خُود بیں کو
خود پہ باور کر نہ پائے چشمِ حیرت آشنا

غیر کی تو خیر کیا اپنی بھی یاد آئی نہیں
دل شبِ ہجراں نہیں ایسا تھا فرصت آشنا

چھا گیا شہرِ جنوں پر کیوں سکوتِ مرگ آج
مبتلائے عشق کب ہوتے ہیں راحت آشنا

اہلِ دنیا بے خبر ہیں رازِ حسن و عشق سے
جلوتوں سے آشنا ہوتے ہیں خلوت آشنا

تیرے سنگِ آستاں سے کیوں اُٹھاتا سر کبھی
واعظِ ناداں اگر ہوتا حقیقت آشنا

ہے متاعِ زندگی بس اس قدر میری معین
چشم ہے نم آشنا اور جان فرقت آشنا

☆☆☆

☆

زندگی گزرے وفا کرتے ہوئے
جان و دل اُن پر فدا کرتے ہوئے

ہم سکھائیں گے طریقِ بندگی
بندگی کا حق ادا کرتے ہوئے

آزماؤ خوئے تسلیم و رضا
خوب لگتے ہو جفا کرتے ہوئے

ہو گئے خود مبتلائے دردِ دل
میرا دردِ دل سوا کرتے ہوئے

مست ہوں سب، دیکھ لے ساقی اگر
چشمِ میگوں نیم وا کرتے ہوئے

کیا بھلا ہو موت گر آئے ہمیں
عاشقی کا حق ادا کرتے ہوئے

شاہِ عالم ﷺ کا تصوّر اے معین!
چاہئے ذکرِ خدا کرتے ہوئے

☆☆☆

☆

ہیں تمھارے بھی جو شیدائی بہت
میرے بھی ہوں گے تمنّائی بہت

شوق سے قطعِ تعلق کیجیے
سوچ لیجے ہو گی رُسوائی بہت

مار کے پتھر بنایا سُرخرو
آپ نے تکلیف فرمائی بہت

جب بھی چاہیں میرا گھر ویراں کریں
دیکھنا! ہوں گے تماشائی بہت

راستے میں خون کے چھوڑے نشاں
کی ہے کانٹوں نے پذیرائی بہت

دیکھ کر عیسیٰ نفس کو میرے پاس
موت بھی آنے سے گھبرائی بہت

درد سے میں رات بھر تڑپا معین
وہ نہ آئے یاد تو آئی بہت

☆☆☆

☆

چھیڑتے کیوں ہو دل کے تاروں کو
کچھ تو سونے دو سوگواروں کو

زخم پر زخم ہی لگاتے ہو
یاد رکھتے ہو دل فگاروں کو

رہروِ عشق کو تلاش کرو
دیکھتے کیا ہو رہگزاروں کرو

گر نہیں مَے تو جامِ غم ہی سہی
دیجیۓ کچھ تو بادہ خواروں کو

آبلہ پا ہوں کچھ علاج کرو
پھر نہ جاؤں میں خارزاروں کو

دادِ غم دے رہے ہیں مدت سے
داد بھی دیجے غم کے ماروں کو

عشق والوں کے دل کو دیکھ کے پھر
کون دیکھے گا لالہ زاروں کو

کتنی حسرت سے دیکھتے ہیں معین
ابرِ بے آب اشکباروں کو

☆☆☆

☆

قِصّہٴ غم سرِ محفل بھی سنائیں کیسے
غیر کے سامنے سب حال بتائیں کیسے

غیرتِ عشق کہاں دے گی اجازت ہم کو
سر جھکایا ہے جو اس در پہ اٹھائیں کیسے

ہے ہر اک اشک جمالِ رُخِ جاناں کا امیں
ایسے گوہر سرِ بازار لُٹائیں کیسے

کتنے خوش رنگ ہیں جو زخم لگائے تُو نے
دستِ اغیار سے یہ پھول بچائیں کیسے

حُسنِ نیّت سے ہی بنتی ہے جہاں میں ہر بات
دل نہ مِلتے ہوں تو نظروں کو ملائیں کیسے

شُعلہٴ عشق سے ہے حُسن کی دنیا روشن
حُسن والوں کو یہ احساس دلائیں کیسے

جانے کیا حال ہو دنیا کا کسے ہوش رہے
پردہٴ ناز ترے رُخ سے اٹھائیں کیسے

قلبِ مومن تو ہے گنجینہٴ انوارِ خدا
پھر کسی بُت کو ہم اس گھر میں بسائیں کیسے

ان میں اک پردہ نشیں کا بھی حوالہ ہے معین
اپنے اشعار زمانے کو سنائیں کیسے

☆☆☆

☆

انداز دیکھیے بتِ کافر ادا کے آج
ہر اک سے ہم کلام ہے آنکھیں مِلا کے آج

گُلچیں بھی، باغباں بھی، پریشاں ہیں پُھول بھی
تیور خراب دیکھ کے بادِ صبا کے آج

آنکھوں میں، آ، نسیمِ سحر دُوں تجھے جگہ
ذرّے اُڑا کے لائی ہے اُس نقشِ پا کے آج

ہر بل میں پیچ و تاب ہے مستِ شباب کا
ناز و ادا تو دیکھیے زلفِ دوتا کا آج

مجھ کو غمِ ستم میں ہی رہنے دے مست مست
قصے نہیں سنائیے جور و جفا کے آج

پھر سر زمینِ عشق و محبت ہے دارِ حرب
تازہ ہوئے ہیں زخم غمِ نینوا کے آج

معراجِ عاشقی اِسے کہتے ہیں اے معین
چرچے ہیں بزمِ یار میں اہلِ وفا کے آج

☆☆☆

☆

بارِ الم تو بارِ گلِ نو بہار ہے
جو بھی عطا کیا ہے مجھے اس سے پیار ہے

پردے میں ہیں ہنوز ترے جلوہ ہائے حُسن
لیکن جسے بھی دیکھئے تجھ پر نثار ہے

ہر زخمِ دل ہے تیری محبت کی یادگار
جس پر خزاں نہ آئے ، یہی لالہ زار ہے

جس جا پڑے ہیں سینکڑوں دل اہلِ عشق کے
مقتل نہیں ، سمجھ گئے وہ کوئے یار ہے

جوشِ جنونِ عشق رہے تیرے ساتھ ساتھ
ہم جانتے ہیں بحرِ وفا بے کنار ہے

تیرے گماں میں رہتا ہوں میں خود سے ہم کلام
کیسا یہ جذبِ عشق ہے؟ کیسا خمار ہے؟

راہِ بقا کی فکر ہے لازم ہمیں معین
یہ رشتۂ حیات تو ناپائیدار ہے

☆☆☆

☆

لاکھ چھپے وہ پردوں میں بھی لیکن سامنے آئے تو
سر پر جو گذری سو گذری دیوانے کہلائے تو

ماند پڑے پھولوں کی لالی، روپ شفق کا پیلا ہو
وہ رُخ سے آنچل سَرکا کر ایک ذرا شرمائے تو

ساون کی گھنگھور گھٹائیں شرم سے پانی پانی ہوں
بھیگی بھیگی زلفوں کو وہ شانوں پر لہرائے تو

ساقی وساغر، بادہ ومیکش جُھوم اُٹھیں سب مستی سے
اُن متوالی آنکھوں کی بس ایک نظر پڑ جائے تو

پ

حُسن کی گھاتیں، عشق کی ماتیں یوں تو زمانہ جانے ہے
ہم بھی سن کر اِک ٹک رو لیں کوئی انہیں دہرائے تو

ہم چُپ ہیں سنسار کے ڈر سے کیسے دل کی بات کہیں
مالکِ ارض و سما کیوں چُپ ہے کوئی ہمیں بتلائے تو

ہم کو معین اربابِ جنوں میں شامل ہو کر لُطف آیا
جو بھی ہوُا، سُدھ بُدھ بسرا کر دیوانہ کہلائے تو

☆☆☆

☆

جب وہ کچھ مسکرا کے کہتا ہے
پھر کسے اپنا ہوش رہتا ہے

میری تنہائیوں کا حال نہ پوچھ
ہر گھڑی کوئی ساتھ رہتا ہے

کون گل رُخ ہے چشمِ پُرنم میں
اشک کیوں خون بن کے بہتا ہے

بے رُخی کا کسی سے کیا شکوہ
دُکھ پرایا بھی کوئی سہتا ہے

ایک بے درد کی تمنّا میں
درد سا میرے دل میں رہتا ہے

کُو بکُو کس کی جستجو ہے تجھے
ڈُھونڈ اس کو جو دل میں رہتا ہے

اک تماشا ہے دل کی دنیا بھی
تم بھی رہتے ہو غم بھی رہتا ہے

اے معین اِن دنوں سرِ محفل
کب کوئی دل کی بات کہتا ہے

☆☆☆

☆

چھِن گئے خواب جو سہانے تھے
آخرش خواب بُھول جانے تھے

دل، محبت کے آشیانے تھے
وہ زمانے بھی کیا زمانے تھے

زخم جن کے نہ مندمل ہوتے
تیر ایسے بھی آزمانے تھے

ہم تو آئے تھے قتل ہونے کو
جانے کیوں آپ ہی نہ مانے تھے

دمِ عیسیٰ سے مندمل نہ ہوئے
زخم دل کے بہت پرانے تھے

لوگ حائل بھی ہو رہے ہوں گے
پھر بھی آنے کے سو بہانے تھے

نقشِ تازہ بنا لئے ہوتے
نقشِ کہنہ اگر مٹانے تھے

عشق آباد تھا دلوں میں معین
اس میں جب حُسن کے ٹھکانے تھے

☆☆☆

☆

مجھے بے نشاں کی ہے جستجو مرا راستہ کوئی اور ہے
مجھے غیرِ حق کی طلب ہو کیوں؟ مرا مدعا کوئی اور ہے

اُٹھے لاکھ موجِ بلا تو کیا چلے تیز و تند ہَوا تو کیا
مجھے نا خدا سے غرض ہی کیا مرا نا خدا کوئی اور ہے

میں ہوا تھا خلد بدر کبھی مگر اب ہے حکم کہ اِرجعی
مری ابتدا کوئی اور تھی مری انتہا کوئی اور ہے

دیا عرضِ حال کا حوصلہ یہ کرم ہے بندہ نواز کا
لبِ التجا ہیں مِرے مگر پسِ التجا کوئی اور ہے

مجھے رنگِ گُل سے بھی پیار ہے مجھے نوکِ خار بھی ہے عزیز
نہ میں گل فروش نہ باغباں مرا مسئلہ کوئی اور ہے

ہو کسی کی مجھ کو تلاش کیوں کہ میں خود ہی منزلِ عشق ہوں
وہ نہاں ہے میری ہی ذات میں میرا ماجرا کوئی اور ہے

یہ جو کر گیا ہے بیاں ابھی جو ہُوا ہر اک پہ عیاں ابھی
یہ معینِ خستہ کا راز ہے، اُسے جانتا کوئی اور ہے

☆☆☆

☆

ہر زخمِ دل میں رنگ ہے حُسنِ بہار کا
کتنا کرم ہے مجھ پہ مرے کردگار کا

ہر گام کُوئے یار میں ہے سجدہ گاہِ دل
ہر ذرہ نور پاش ہے اُس رہگزار کا

ہم خُوگرِ جفا کی زباں پر گِلہ ہو کیوں
شکوہ ہو کس سے اپنے ہی غفلت شعار کا

ہم اہلِ عشق سہتے ہیں ہر ظلم شوق سے
گلچیں کا ہو، خزاں کا ہو، یا نوکِ خار کا

اُٹّھا ہے پھر دھؤاں دلِ آتش بجاں سے آج
کیوں ہے گماں حضور کو گرد و غبار کا

پھر مہر و مہ نہ آئیں سرِ آسماں نظر
گر دیکھ لیں وہ جلوہ کبھی رُوئے یار کا

پائے گا جلوہ گر اُسے اے شیخ! چار سُو
کر تُو کبھی طواف ذرا کُوئے یار کا

خیراتِ حُسن ڈال دے اے نازنیں کہ ہے
کاسہ تہی معین کے قلبِ فگار کا

☆☆☆

☆

جب سے وہ بتِ کافر رہتا ہے کھنچا ہم سے
ایماں کی قسم ساری دنیا ہے خفا ہم سے

یہ طرزِ تغافل ہے محفل میں بجا لیکن
نظریں ہی مِلا لیتے اک بار ذرا ہم سے

اچھّا ہے اگر نکلے یہ جاں ترے قدموں میں
یہ رسمِ محبت بھی ہو جائے ادا ہم سے

ہم معرکۂ ہستی اب تک تو نہیں ہارے
ہو سکتا ہے بازی اب لیجائے قضا ہم سے

جائیں گے نہ اُٹھ کر ہم اے جاں! ترے کوچے سے
ہوتی ہے تو ہو جائے یہ جان، جدا ہم سے

کیا لذّتِ غم سے وہ خوش دیکھ کے ناخوش تھا
یوں کھینچا معین اس نے جو دستِ جفا ہم سے

☆☆☆

☆

جب تصور میں کوئی جلوہ نما ہوتا ہے
ہم نشیں ! درد خود اپنی ہی دوا ہوتا ہے

کیوں شکایت ہو مجھے تیرے ستم کی جاناں!
جن سے اُمّید ہو کچھ اُن سے گِلا ہوتا ہے

جب پسِ پردہ ترے حُسن سے ہے حشر بپا
پردہ اُٹھنے سے ذرا دیکھئے کیا ہوتا ہے

خوف ہوگا تجھے، مجھ کو تو نہیں ہے زاہد!
میری دنیا میں سدا روزِ جزا ہوتا ہے

اللہ اللہ! تری معصوم نگاہیں جاناں!
جس طرف پھیر لے اک حشر بپا ہوتا ہے

پھول کِھلتے ہیں تو مُرجھاتے ہیں کچھ وقت کے بعد
زخمِ دل وقت گزرنے سے ہَرا ہوتا ہے

خُوگرِ غم کی وہاں کیسے کٹے گی واعظ!
کون یوں خلد میں سرگرمِ جفا ہوتا ہے

زندہ رہتا ہے وہ دنیائے محبت میں معین!
کُوئے محبوب میں جو شخص فنا ہوتا ہے

☆☆☆

☆

اُن کا دستِ جفا ، خدا رکھے
میرا ذوقِ وفا، خدا رکھے

ان کی تیغِ ادا ، خدا رکھے
میری خوئے رضا، خدا رکھے

رات دن دل میں بے کلی سی ہے
ہے ابھی ابتدا، خدا رکھے

عافیت چاہتے ہیں وہ میری
اور میرا بھلا ، خدا رکھے

ان کی صورت جمالِ صبحِ ازل
وہ ہیں شانِ خدا، خدا رکھے

دل کو تسکیں ملے یہاں ہی سے
ان کے در کو سدا، خدا رکھے

وہ بصد ناز آ رہے ہیں اِدھر
مرحبا! مرحبا! خدا رکھے

ہے دُعا دل سے اے معین ! تجھے
شاد صبح و مسا، خدا رکھے

☆☆☆

☆

جس کا مہر و وفا شعار ہوا
بس وہی شخص کامگار ہوا

جب سے اُس رُخ پہ دل نثار ہوا
مثلِ سیماب بیقرار ہوا

اہلِ عالم کریں گے پیار اُسے
پیار والوں سے جس کو پیار ہوا

کار فرما اُسی کی قدرت ہے
یوں جو ہر شے پہ اختیار ہوا

نیّتِ کار پر ہے سب مبنی
تجربہ اس کا بار بار ہوا

ٹوٹ کر رہ گیا ہے تیرِ نظر
کب مرے دل کے آر پار ہوا

رات اُن کے خیال میں گزری
اور ' دِن وقفِ انتظار ہوا

رحمتوں کا نہیں حساب معین
فضلِ حق ہم پہ بے شمار ہوا

☆☆☆

☆

مہرباں اُن کی نظر ہے اِن دنوں
بخت میرا اوج پر ہے اِن دنوں

بے سکوں ہُوں میں کواکب کی طرح
رات دن پیہم سفر ہے اِن دنوں

جانے اب ویران ہو کس کس کا گھر
اِس طرف اُن کا گذر ہے اِن دنوں

ہے خمار آور مری ہر ایک شام
گُل بکف ہر اک سحر ہے اِن دنوں

پُوچھتے ہیں مجھ سے اب احوال وُہ
میرے نالوں میں اثر ہے اِن دنوں

وہ بھی شاید دل لُٹا بیٹھا معین
مُہر بر لب نامہ بر ہے ان دنوں

☆☆☆

☆

ہے پرانی روش زمانے کی
دل دُکھانے، لہو رُلانے کی

لامکاں ہے ترا، مکاں بھی ترا
کیا کہیں ہم ترے ٹھکانے کی

یہ ستارے سے کیا ہیں مژگاں پر
ابتدا ہے ابھی فسانے کی

شمع جلتی رہی ، ہوَا نے تو
سعی کی خُوب اِسے بُجھانے کی

دل کی بے چینیاں قیامت ہیں
”ہے خبر گرم اُن کے آنے کی“

بسکہ عادت نہیں معین مِری
داستانِ الم سنانے کی

☆☆☆

☆

لُطف کی وہ نگاہ کرتے ہیں
جان و دل مہر و ماہ کرتے ہیں

ہے گناہوں سے مغفرت کا جواز
اس لئے ہم گناہ کرتے ہیں

نیک و بد کی وہاں تمیز نہیں
وہ تو سب سے نباہ کرتے ہیں

لوگ بیکار عیب جوئی سے
فرد اپنی سیاہ کرتے ہیں

جو انہیں غیر جانتے ہیں وہ
اپنی دنیا تباہ کرتے ہیں

میرے عیبوں پہ ڈال کر پردہ
وہ کرم بے پناہ کرتے ہیں

دشمنِ جاں معین یاد آئیں
وہ ستم خیر خواہ کرتے ہیں

☆☆☆

☆

یہ دلِ زارؔ بے قرار رہا
رات دن محوِ انتظار رہا

کر کے شکوہ میں شرمسار رہا
یوں ندامت سے اشکبار رہا

بزم میں پھیر لی نظر اُس نے
کیوں مجھے پھر بھی اعتبار رہا

دل میں آباد تم خزاں میں بھی تھے
گلشنِ ذہن پُر بہار رہا

میری تسکینِ دل کا شام و سحر
اِک تصوّر پہ انحصار رہا

تھی زباں پر نہ اور بات کوئی
مستقل ایک ذکرِ یار رہا

بھر لیا میں نے اپنا دامنِ دل
شاخِ گل پر نہ کوئی خار رہا

میں ہمیشہ سے مثلِ پروانہ
مشعلِ حُسن پر نثار رہا

ایک چشمِ شراب گوں کا معین
زندگی بھر مجھے خمار رہا

☆☆☆

☆

جب بھی وہ جانِ وفا جاتے ہیں
دل میں اک حشر اُٹھا جاتے ہیں

نقش وہ اپنا بِٹھا جاتے ہیں
ماسوا اور مِٹا جاتے ہیں

جب بھی اِس سمت وہ آجاتے ہیں
کتنے ویرانے بسا جاتے ہیں

یاد آتے ہیں وہ جب بھی مجھ کو
دل کو بے تاب بنا جاتے ہیں

جام و مینا کی نہیں کچھ حاجت
وہ تو آنکھوں سے پلا جاتے ہیں

اک نظر ڈال کے وہ جانِ بہار
دلِ پژمردہ کِھلا جاتے ہیں

مجلسِ شعر میں کیا جائیں معین
وہ مرے شعر سُنا جاتے ہیں

☆☆☆

☆

اُس کی یاد آئی ستانے مجھ کو
خون کے اشک رُلانے مجھ کو

کر دیا رنج و الم کا خُوگر
دے دیا صبر خدا نے مجھ کو

رات دروازہ کُھلا تھا میرا
کوئی آیا تھا جگانے مجھ کو

خوب معلوم ہیں تیرے سارے
آستاں اور ٹھکانے مجھ کو

دستِ رحمت نے مجھے ڈھارس دی
حادثے آئے ڈرانے مجھ کو

یاد ہیں محفلِ جاناں کے معین
وہ شب و روز سہانے مجھ کو

☆☆☆

☆

کچھ رہے حسرت وارماں نہ تمنّا اے دوست!
دل میں بس جائے اگر تیرا سراپا اے دوست!

رات دن رہتا ہوں مصروفِ تلاوت، جاناں!
میرا مصحف ہے ترا چہرۂ زیبا اے دوست!

بزم در بزم چلی بات مری الفت کی
یوں ہوا عام ترے حُسن کا چرچا اے دوست!

تُو اگر خوش ہے تو ہر درد ہے منظور مجھے
تیری خاطر ہے ہر اک رنج گوارا اے دوست!

شفقِ شام ہے تُو، عکسِ سحر ہے تُو ہی
کون اس دہر میں تُجھ سا کوئی ہوگا اے دوست!

یہ طرب خیز تری یاد نہ چھن جائے کہیں
دل میں رہتا ہے یہی، بس یہی خدشہ اے دوست!

روز و شب تیری محبت میں ہے مخمور معین
بھر دیا تُو نے مرا جامِ تمنّا اے دوست!

☆☆☆

☆

معین اُس کی اُلفت نے یہ دن دکھائے
ذرا نیند آئے، نہ دل چین پائے

رسیلے لبِ سُرخ دیکھے جو اُس کے
بہاروں نے پھولوں سے گلشن سجائے

نشیلی وہ آنکھیں ، چھلکتے وہ ساغر
کہ زاہد جنہیں دیکھ کر جُھوم جائے

تبسّم کہ جس سے کِھلے دل فسردہ
سخن وہ کہ مستی کے ساغر لنڈھائے

وہ قامت کہ شمشاد ہو اُس پہ شیدا
وہ گیسو کہ ہیں پُر سکوں جن کے سائے

بہت خوب صورت معین اُس کا پیکر
وہ جاں کو لبھائے ، وہی دل کو بھائے

☆☆☆

☆

رُخ سے وہ پردہ اُٹھاتے ، خُوب تھا
طُور کا جلوہ دکھاتے ، خُوب تھا

کوئی بھی حائل نہ ہوتا درمیاں
یوں مجھے اپنا بناتے ،خُوب تھا

میں مہک اُٹھتا گُلِ تر کی طرح
دل میں میرے وہ سماتے ، خُوب تھا

راہ میں یہ مختصر سی بات کیا
بیٹھ کر سنتے سناتے ، خُوب تھا

اُن کے ہاتھوں جام اک آیا تو کیا
گر وہ خم پہ خم لنڈھاتے ، خوب تھا

ہجر کی شب بزمِ خلوت میں مری
وہ اگر تشریف لاتے، خُوب تھا

اپنے دل کی بات وہ کرتے معین
ہم بھی کچھ دل کی سناتے ،خُوب تھا

☆☆☆

☆

ازمدّتے در آتشِ فرقت تپیدہ ام
ساقی بیا کہ تشنہ لب و آب دیدہ ام

اے صاحبِ جمال! نگاہے بہ حالِ من
از بارِ غم خمیدہ و فُرقت گزیدہ ام

نَے آرزوئے جلوہ و نَے حسرتِ وصال
در جستجوئے یار، چہ جائے رسیدہ ام

نَے فکرِ سُود ہست و نہ اندیشۂ زیاں
در کاروبارِ عشق چہ ساماں خریدہ ام

جاناں بدہ بہ کاسۂ چشمم زکوٰۃِ حُسن!
دستِ سوال ماندہ و دامن دریدہ ام

شاہے کہ گفتہ است بہ خُدّام، لاتخف
تاباں بود ز خاکِ درش نورِ دیدہ ام

اے وائے آرزو کہ شوم باز ہم اسیر
شاید ز دامِ گیسوئے جاناں پریدہ ام

ہر گز ندارم آرزوئے ہوش اے معین
از دستِ یار آں مئے نابے چشیدہ ام

☆☆☆

☆

نگاہِ یار عجب شوخِ فتنہ گر باشد
کہ تیر میزند و باز چارہ گر باشد

ز شاخ گرچہ جدا شد ولے تماشہ بیں
بدستِ یار گلِ تازہ ، تازہ تر باشد

شبِ فراق بصد گریہ آرزو کردم
خدا کند کہ شبِ وصل بے سحر باشد

بہار پروریٔ چشمِ مستِ یار نگر
کہ رنگ و بوئے چمن تشنۂ نظر باشد

خوشم کہ بے سر و ساماں نیم ، متاعِ حیات
نوائے درد و دلِ زار و چشمِ تر باشد

منم غلامِ جنابِ غلامِ محی الدیں
کہ در وفورِ غم و یاس چارہ گر باشد

کسے کہ دُور شود از درِ حبیب معین
سکوں نہ یابد و ہر لحظہ دَر بدَر باشد

☆☆☆